

کچھ نہ پوچھو۔ بس یہ سمجھ لو کہ جس ریت پر سورج کی روشنی پڑنے سے سراب پیدا ہو رہا تھا، اس کا ذرہ ذرہ تیز دھار والی تلوار کے جوہر کی مانند تھا۔
مراد یہ ہے کہ عشق میں دنا کے تقاضے پورے کرنا بہت مشکل ہے۔ جس نے اس صحرا میں قدم رکھا، اس کے لیے بچنا ممکن ہی نہیں، کیونکہ سراب پیدا ہونے والی ریت کا ایک ایک ذرہ اس کے لیے تیز دھار والی تلوار سے کم نہیں ہوتا۔
۵۔ اس شعر کے دو مطلب ہو سکتے ہیں :

۱۔ جب تک ہم نا تجربہ کار تھے، یہی سمجھتے تھے کہ عشق کا غم معمولی چیز ہے۔ ایسا نہیں کہ برداشت نہ ہو سکے۔ اب تجربے کے بعد معلوم ہوا کہ اسے کم بھی مان لیا جائے تو یہ دنیا بھر کے عنوں کے برابر ہے۔

۲۔ ہم بھی ایک زمانے میں غم عشق کو زیادہ بڑی چیز نہیں سمجھتے تھے۔ اب تجربہ کیا تو معلوم ہوا کہ غم عشق کم ہو جائے تو دنیا کے دوسرے غم اس کی جگہ لے لیتے ہیں۔ اس آخری شرح کی تائید مرزا غالب کے ایک اور شعر سے ہوتی ہے :

غم اگر چہ جانگسل ہے پہ بچیں کہاں کہ دل ہے

غم عشق اگر نہ ہوتا ، غم روزگار ہوتا

مرزا نے اس میں ایک بہت بڑی حقیقت بیان کی ہے۔ عشق ایک لگن اور ایک دھن ہے۔ جب تک انسان اس دھن میں لگن رہے، اسے کسی دوسری چیز کا خیال نہیں آتا، گویا وہ تمام تشویشوں سے بالکل محفوظ رہتا ہے۔ اگر اسے کسی خاص کام کی دھن اور لگن نہ ہو تو دنیا کی چھوٹی چھوٹی حقیر باتیں اس کے لیے پریشانی کا باعث بنتی رہیں گی۔



۱۔ شرح : خواجہ حالی

مرحوم اس شعر کی شرح کرتے

ہوئے فرماتے ہیں : بادی النظر

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا

آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا